سلسلہ نمبر 52

بار اوّل ۳۳۰۰

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ آیَۃً (رواہ البخاری)

ماخوذ

مواعظ حکیم الامت (محشّٰی)

جلد ۲

وعظ

تسہیلُ الاصلاح

(اصلاحِ اعمال کی آسان ترکیب)

از افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ

حواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر و اشاعت جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور نمبر ۱۸

فون پرانی انارکلی: ۷۳۵۳۷۲۸ کامران بلاک: ۵۴۲۲۲۱۳ ۵۴۲۸۰۶۰

اپریل ۱۹۹۸ء

ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ

سلسلہ تبلیغ ۵۲

بار اول ۳۳۰۰

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً

(رواہ البخاری)

تسہیل الاصلاح

(اصلاحِ اعمال کی آسان ترکیب)

ازافادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات وحواشی

مولانا خلیل احمد تھانوی

شعبہ نشر واشاعت جامعہ دار العلوم الاسلامیہ

کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

فون کامران بلاک: ۵۴۲۲۲۱۳ — ۴۳۸۰۶۰

فون پرانی انارکلی: ۷۳۵۳۷۲۸ —

ذی الحجہ ۱۴۱۸ھ

اپریل ۱۹۹۸ء

تسہیل الاصلاح

تسہیل الاصلاح

۱	خطبہ ماثورہ	۳
۲	مقصود عمل	۳
۳	نفع نقصان کے تعین میں اختلاف	۴
۴	نفع نقصان کی حقیقت	۵
۵	نفع نقصان کی اقسام	۶
۶	ایک شبہ اور اس کا جواب	۸
۷	نفع دنیا اور نفع آخرت میں فرق	۹
۸	جنت میں حسد نہیں ہوگا	۱۰
۹	جنت میں کمال عبدیت	۱۱
۱۰	شبہ اور اس کا جواب	۱۲
۱۱	دنیا کا کوئی نقصان دائمی نہیں	۱۲
۱۲	دنیا کا کوئی نقصان نفع سے خالی نہیں	۱۳

نمبر شمار	عنوانات	صفحات
۱۳	دوزخ سے بچنے اور جنت کے حصول کا طریقہ	۱۴
۱۴	احکام دین کو بھاری سمجھنے کی چند مثالیں	۱۵
۱۵	احکام دین سراپا رحمت ہیں	۱۷
۱۶	ترک افعال میں گرانی	۱۸
۱۷	گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنیکی آسان ترکیب	۱۹
۱۸	دل مرکز افعال ہے اس کی اصلاح کا طریقہ	۲۰
۱۹	موانع تقویٰ	۲۲
۲۰	زبان کے گناہ سب اعضاء سے زائد ہیں	۲۳
۲۱	زبان ظاہر بدن بھی اور باطن بدن بھی	۲۴
۲۲	زبان قلب کی معبر ہے	۲۵
۲۳	زبان کو تمام اعمال صالحہ میں دخل ہے	۲۶
۲۴	خلاصہ وعظ	۲۷
۲۵	تقویٰ کے حصول کا مخصوص گر	۲۸
۲۶	درود لامتناہی	۳۱

حضرت والاؒ نے یہ وعظ جلال آباد میں "اصلاح اعمال" کے موضوع پر ۱۱ شعبان سنہ ۱۳۲۹ھ کو ایک گھنٹہ تک کھڑے ہو کر بیان فرمایا سامعین کی تعداد ۲۰۰ تھی۔

مولوی محمد عبداللہ صاحب نے اسے قلم بند فرمایا

تسہیل الاصلاح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الااللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم.

فقد قال اللہ تعالیٰ یاایھاالذین آمنوا اتقواللہ وقولوا قولاً سدیداً یصلح لکم اعمالکم ویغفرلکم ذنوبکم و من یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیماً (الاحزاب آیت ۷۰، ۷۱)

(ترجمہ۔ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو اللہ تمہارے اعمال کو قبول کریگا اور تمہارے گناہ معاف کردیگا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریگا سو وہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔ بیان القرآن ج۹ ص۶۸ خلیل)

مقصود عمل

یہ ایک آیت ہے جس میں حق تعالیٰ نے مختصر لفظوں میں ایک کار آمد مضمون پر متنبہ فرمایا ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ جو آدمی جو کام کرتا ہے اس سے دو چیزوں میں سے ایک شے[۱] مقصود ہوتی ہے یا تو دفع مضرت یا جلب منفعت[۲] مثلاً کھانا کھاتا ہے لذت و تغذی[۳] کے لیے یہ

(۱) ایک چیز (۲) نقصان دہ چیز کا دور کرنا یا نفع کو حاصل کرنا (۳) مزہ اور غذا کے لیے

ایک منفعت [1] ہے دوا پیتا ہے دفع مرض [2] کے واسطے یہ مضرت کا دفع [3] ہوا اور وہ نوکری کرتا ہے روپیہ کی تحصیل کے لیے تجارۃ کرتا ہے منفعت وفائدہ کے واسطے رشوت دیتا ہے کہ کسی قسم کی سزا نہ ہوجاوے یا کسی بلا [4] میں مبتلا ہے اس سے رہا ہوجاوے مکان بناتا ہے سردی و گرمی سے بچنے کے واسطے خلاصہ یہ ہے کہ یہ امر بالکل ظاہر اور بدیہی ہے جو کچھ انسان کرتا ہے جلب منفعت کے لیے کرتا ہے یا دفع مضرت کے واسطے اس میں کسی عاقل کو کلام نہیں اور نہ اس پر براہین [5] و دلائل قائم کرنے کی ضرورت ہے۔

نفع نقصان کے تعین میں اختلاف

البتہ منفعت و مضرت میں اہل الرائے اور اہل ملت میں اختلاف ہے باقی نفس مسئلہ میں اتفاق ہے چنانچہ واضح ہوچکا ہے تعین میں البتہ بہت بڑا اختلاف ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ منفعت و تحصیل [6] تو ہر ایک کا مقصود ہے لیکن منفعت کی تعیین میں ہر ایک نے ایک رائے قائم کرلی ہے ایک شخص ساعی [7] ہے کہ مجھ کو مثلاً تحصیل داری یا تھانہ داری یا ڈپٹی یا ڈپٹی کلکٹری وغیرہا مثلاً حسب اختلاف المقاصد مل جائے کہ اس میں میری عزت و آبرو ہے دوسرا ساعی ہے کہ مجھ کو نہ ملے کہ غریبوں پر ظلم ہوگا۔ چنانچہ بعضوں پر زور دیا جاتا ہے کہ حکومت قبول کرو اور وہ نہیں کرتے ایک وہ لوگ ہیں جنہوں نے سلطنت کے لیے ہزاروں جانیں ضائع کردیں اب وہ تھے کہ بھاگتے تھے۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ کوئی اس کو منفعت سمجھا اس کی تحصیل کے لیے سعی [8] کی اور دوسرے نے اس کو

---

(۱) فائدہ (۲) مرض کو دور کرنے کے لیے (۳) یہ نقصان کا دور کرنا ہوا (۴) مصیبت (۵) حجت و دلیل (۶) نفع حاصل کرنا (۷) کوشاں (۸) کوشش

مضرت[1] خیال کیا اس لیے اس کے دفع میں کوشش کی اور جس قدر اختلافات عالم میں ہیں سب کی وجہ یہی ہے کہ ایک شخص ایک امر کو منفعت و مستحسن[2] سمجھتا ہے اس کو اختیار کرلیتا ہے اس کی تحصیل کے درپے ہوتا ہے دوسرا اسی کو مضرت سمجھتا ہے اس لیے اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے چنانچہ اختلافِ مذہب کی یہی وجہ ہے لیکن اس وقت اس میں بحث نہیں ہے اس لیے کہ اس وقت بفضلہ تعالیٰ سارا مجمع ایک مذہب کا ہے۔

نفع نقصان کی حقیقت

اس وقت قابل غور امر یہ ہے کہ اس کا فیصلہ ہونا ضرور ہے کہ آیا کون منفعت واقع میں قابل تحصیل[3] کے ہے کون مضرت قابل دفع[4] کے تو بعد تامل[5] یہ سمجھ میں آتا ہے کہ منفعت وہ لائق تحصیل کے ہے جس میں دو صفتیں ہوں ایک تو یہ کہ وہ منفعت زیادہ باقی رہنے والی ہو دوسری یہ کہ خالص ہو مشوب[6] بضرر نہ ہو دیکھ لیجیے اگر کوئی منفعت چار سال رہنے والی ہو اور دوسری آٹھ سال تو ہر عاقل دوسری ہی کو پسند کرے گا اور اسی کو اختیار کرے گا۔ مثلاً دو مکان ہوں ایک بڑا عالی شان اور خوبصورت ہو اور دوسرا چھوٹا اور بدصورت ہو اور وہ مکان کسی شخص کے سامنے پیش کیے گئے لیکن یہ کہا گیا کہ بڑا مکان چار پانچ روز کے بعد خالی کرالیا جاوے گا اور چھوٹا کبھی خالی نہ کرایا جاوے گا تو ظاہر ہے کہ ہر عاقل اس چھوٹے ہی مکان کو پسند کرے گا اور اگر یہ کہہ دیا جاوے کہ نسلاً بعد نسل تم کو دیدیا جاوے گا تو ضرور ہی پسند کرے گا۔ معلوم ہوا کہ منفعت باقی رہنے والی ہوگی

---

(۱) نقصان (۲) اچھی اور نفع بخش سمجھتا ہے (۳) کونسا نفع حاصل کرنا چاہیے (۴) اور کس نقصان سے بچنا چاہیے (۵) غور کرنے (۶) اس میں کسی ضرر کی آمیزش نہ ہو

کوئی کلکتہ میں کوئی بمبئی میں تو یہ سب ایک شئے کے طالب ہیں وہ شئے کیا ہے نفع مگر اس کے طرق مختلف ہیں کسی نے سمجھا کہ بزازی (۱) کی دکان میں نفع ہے کسی نے خیال کیا کہ بساط خانہ (۲) میں بہت نفع ہے اس نے اسی کو اختیار کرلیا کسی نے سمجھا کہ لکھنؤ میں چکن اچھی ہوتی ہے وہ وہاں جا پہنچا کسی نے یہ خیال کیا کہ کلکتہ میں تجارت سے بہت نفع ہوگا وہ وہاں پہنچ گیا چنانچہ اگر کسی تاجر سے کہا جاوے کہ تم کو جو نفع کلکتے میں ملے وہ ہی نفع تم کو ہم یہاں دیتے ہیں وہ ہر گز کلکتہ نہ جاوے گا کیونکہ مقصود اس کو حاصل ہوگیا غرض یہ امر بالکل اب واضح ہوگیا ہوگا کہ لوگ بظاہر اشیاء مختلفہ کے طالب ہیں مگر حقیقتاً مطلوب ایک ہی اور یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس مطلوب یعنی لذت و راحت کے حاصل کرنے میں رائیں مختلف ہیں کسی کی رائے تجارت کی ہے کسی کی زراعت کی ہے اور گاہے (۳) آپس میں ایک دوسرے کو خاطی (۴) بتاتے ہیں چنانچہ جو تجارت کرتا ہے وہ احیاناً زراعت کرنے والے کو خطا پر بتاتا ہے اور زراعت کرنے والا تاجر کو خاطی بنا رہا ہے اور ان ہی طالبین میں بچے بھی ہیں وہ بھی اسی مطلوب یعنی لذت و راحت کے حاصل کرنے میں مختلف طریقے اختیار کرتے ہیں لڑکیاں گڑیاں کھیلتی ہیں لڑکے کوئی گیند کھیلتا ہے کوئی کنکوا (۵) اڑاتا ہے کوئی رہنے کا مکان بناتا ہے ان کے مکان کو ہم بیہودہ شغل سمجھتے ہیں اور ہم جو قرض لے لیکر مکان بناتے ہیں اس کو بے ہودہ نہیں سمجھتے وجہ یہ ہے کہ اپنے مکان کو پائیدار سمجھتے ہیں اور معتد بہ راحت کا آلہ۔

راحت و لذت کی حقیقت اور اس کے حصول کا ذریعہ

پس معلوم ہوا کہ اس مقصود کے باوجود کہ اس کے کہ وہ واحد ہے درجات

---

(۱) رنگ ساز (۲) جوا خانہ (۳) کبھی کبھی (۴) خطاکار (۵) پتنگ

مختلف ہیں ایک معتبر اور قابل شمار اور دوسرے غیر معتبر اور ناقابل شمار اور مجموعہ تقریر سے دو امر[1] معلوم ہوئے ایک یہ کہ مقصود کے طرق میں اختلاف ہے دوسرے یہ کہ اس مقصود یعنی لذت وراحت کے افراد بعض قابل شمار ہیں اور بعض نہیں ہیں اب یہاں دو امر تنقیح[2] طلب ہیں کہ مقصود یعنی لذت راحت کا کون فرد حقیقۃً معتبر[3] ہے اور دوسرے یہ کہ اس کا طریقہ تحصیل کا کیا ہے پس اس کا فیصلہ ایسا شخص کرسکتا ہے کہ جو حقائق اشیاء اور آثار اشیاء سے من کل الوجوہ واقف ہو[4] اور نیز وہ خود غرض نہ ہو کہ کیونکہ کسی کا علم اگر ناقص ہوگا یا کوئی خود غرض ہوگا تو وہ ہرگز ان دو امروں کے متعلق فیصلہ نہیں کرسکتا تو اب دیکھنا چاہیئے کہ جس میں یہ دو صفتیں علی وجہ الکمال موجود ہوں وہ کون ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ مخلوق میں یہ دونوں صفتیں ناقص ہیں جو عالم نظر آتا ہے اس سے زیادہ اور عالم موجود ہے وفوق کل ذی علم علیم[5] اور استغناء اور بے غرضی کی صفت میں بھی مخلوق ناقص ہے جس کو دیکھیئے وہ خود غرض ہے اگر کہا جاوے کہ بعضے ہمدردان قوم ایسے ہیں کہ دوسروں کو بلا غرض نفع پہنچاتے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں بعضے ثواب کے طالب ہیں اور بعضوں کی ایسی طبیعت ہوتی ہے کہ دوسروں کو نفع پہنچا کر ان کے دل کو ٹھنڈک اور راحت پہنچتی ہے یہ ازاحتہ رقت جنسیت[6] بھی ایک غرض ہے اسی طرح ماں باپ اور جملہ اقرباء جو کچھ کرتے ہیں سب اپنی شفائے قلب کے واسطے کرتے ہیں اگر کوئی کہے کہ بعضے لوگ ایسے طور سے دیتے ہیں کہ نہ دینے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ

---

(۱) دو باتیں (۲) وضاحت کے قابل (۳) لذت وراحت کی کونسی قسم قابل اعتبار ہے (۴) جو چیزوں کی حقیقت اور ان کے آثار سے مکمل طور پر واقفیت رکھتا ہو (۵) ہر جاننے والے سے بڑھ کر جاننے والا ہے (۶) اپنے ہم جنس کو راحت پہنچا کر خوش ہونا بھی ایک غرض ہے

کلفتیں[1] ختم ہوجاتی ہیں اور التذاذ[2] ہی کا وقت ہوتا ہے یعنی اس وقت بھی اکثر اوقات کوئی نہ کوئی کلفت پیش آجاتی ہے کہ وہ کلفت التذاذ میں سدراہ[3] ہوجاتی ہے مثلاً روٹی کا ٹکڑا گلے میں اٹک گیا، کھانا کھانے بیٹھے کسی عزیز کے آنے کی خبر آگئی یا اور فکر میں ڈالنے والی کوئی بات سن لی کہ سب کھانا پکا پکایا بے لطف ہوگیا یا یہ وہ کھانا ہضم نہیں ہوا قبض ہوگیا یا دست آنے لگے، سلاطین اور امراء کے عیش سے زیادہ کسی کا عیش نہیں ہے لیکن ان کو سب سے زیادہ پریشانیاں ہیں اولاد کو دیکھ لیجیے کہ بڑی بڑی تمناؤں کے بعد پیدا ہوتی ہے انواع انواع[4] کی تکالیف اٹھا کر ان کی پرورش کرتے ہیں پھر اکثر اولاد خلاف مزاج ہوتی ہے والدین کو سینکڑوں طرح کی ان سے تکالیف پہنچتی ہیں غرض دنیا کی جس منفعت کو دیکھو گے خالص نظر نہ آوے گی اور اپنے مقصد کے موافق نہ ہوگی۔ حق تعالیٰ خود فرماتے ہیں۔ ام للانسان ما تمنے فللّٰہ الاخرۃ والاولیٰ کیا یہ انسان کے لیے جو جو تمنا کرے وہ حاصل ہوجاتے ہیں (یعنی نہیں) بس آخرۃ اور دنیا سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

لیکن اس پر کوئی یہ شبہ نہ کرے للّٰہ الاخرۃ والاولیٰ سے تو یہ معلوم ہوا کہ جیسے دنیا ہمارے اختیار میں نہیں ہے اسی طرح آخرۃ بھی نہیں ہے پھر فرق کیا ہوا بلکہ نہ وہ قابل تحصیل ہوئی نہ یہ ہوئی تو جو اس تقریر سے تمہارا مقصود ہے کہ دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت دلانا وہ حاصل نہ ہوا جواب یہ ہے کہ دوسرے مقام پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

---

(۱) مشقتیں (۲) مزہ حاصل کرنے (۳) مزے میں رکاوٹ (۴) قسم قسم کی

من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها مانشاء لمن نرید ثم جعلنا له جهنم یصلاها مذموماً مدحوراً و من اراد الاخرة وسعیٰ لها سعیها وھو مومن فاولئک کان سعیهم مشکوراً[۱]۔

یعنی جو شخص صرف دنیا طلب کرے تو دنیا میں جو ہم چاہیں گے جس کو چاہیں گے وہ دیں گے پھر اس کے لیے ہم جہنم تجویز کریں گے اس میں داخل ہوگا اس حالت میں کہ مذموم و مردود ہوگا اور جو شخص آخرة چاہے گا اور اس کے لیے پوری سعی کرے اور وہ مومن بھی ہو پس ان لوگوں کی سعی[۲] کی قدر کی جاویگی دیکھیے دنیا کی نسبت تو یہ فرمایا کہ ہم جس کو چاہیں گے اور جتنی چاہیں گے دیں گے اور آخرة کی نسبت وعدہ فرمایا کہ ہم جس کو چاہیں گے اور جتنی چاہیں گے دیں گے اور آخرة کی نسبت وعدہ فرمایا کہ جو اس کے لیے سعی کرے گا اس کی سعی کی قدر کی جاوے گی یعنی اس کا بدلہ ملے گا دونوں جگہ قضیہ شرطیہ ہے مگر دوسری جگہ کامیابی کا وعدہ ہے اور پہلی صورۃ میں نہیں ہے پس حاصل یہ ہوا کہ اختیار میں تو خدا ہی کے ہے دنیا بھی آخرہ بھی مگر آخرہ کی سعی پر بدلہ دینے کا وعدہ ہے اس لیے وہ قابل تحصیل[۳] ہوئی بخلاف دنیا کے بہرحال آیت ام للانسان ما تمنیٰ الخ سے جو شبہ ہوا تھا وہ مرتفع[۴] ہوگیا۔

نفع دنیا و نفع آخرت میں فرق

اب ہم لوگوں نے برعکس[۵] معاملہ اختیار کیا ہے کہ جس کا (یعنی دنیا) وعدہ نہیں ہے اور اس کو اپنی مشیئة پر رکھا ہے اس کے طلب میں تو منہمک[۶] ہیں

---

(۱) الاسراء آیت ۱۹ (۲) کوشش (۳) حاصل کرنے کے قابل ہوئی (۴) اٹھ گیا (۵) الٹا معاملہ کر رہا ہے (۶) لگے ہوئے

اور نیز اس کے اسباب تحصیل (نوکری تجارت زراعت وغیرہا) کی نسبت تو ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ گویا ان کے نزدیک مسبب ان پر ضرور مرتب ہوگا اور جس کا وعدہ ہے (یعنی آخرۃ) اس کے اسباب ہیں صوم، صلوۃ، حج، زکوۃ وغیرہا من المامورات)[۱] کی طرف مطلق التفات نہیں، ببیں تفاوت راہ از کجاست تا بکجا[۲]۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کی ہر منفعت کے اندر کدورت[۳] ہے بخلاف آخرۃ کی منفعت کے کہ جس کو حق تعالی اپنی رضامندی کے ساتھ جنت نصیب فرمادے وہاں اس کو کوئی آزار[۴] نہیں فرماتے۔ ولکم فیها ما تشتهیه الانفس یعنی تمہارے لیے جنت میں وہ شے ملے گی جس کو تمہارا جی چاہے گا۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں ولا یمسنا فیها نصب ولا یمسنا فیها لغوب یعنی ہم کو جنت میں نہ تعب لگے گا اور نہ اس میں تکان ہوگا۔

جنت میں حسد نہیں ہوگا

اگر کوئی کہے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک کے پاس دنیا کا سامان جیسے مال اولاد اور مکان گھوڑے جوڑے وغیرہ بہت ہوتا ہے تو دوسرا دیکھ کر اس کو حسد کرتا ہے اور حسد کی آگ سے جلتا ہے تو یہ مسلم ہے کہ جنت میں سب نعمتیں ہوں گی لیکن اختلاف درجات کی وجہ سے شاید آپس میں حسد ہو تو یہ بھی ایک قسم کی تکلیف اور کدورت ہے جواب یہ ہے کہ وہاں پہ حسد نہ ہوگا ہر شخص اپنے حال اور نعمتوں میں بے حد خوش ہوگا اور کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو

---

(۱) نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ جن کا حکم کیا گیا ہے وہ ان کے حاصل کرنے کے سبب ہیں ان کی طرف ذرا بھی نہیں (۲) اس میں فرق دیکھو یہ کہاں وہ کہاں (۳) دنیا کے ہر نفع میں کچھ نہ کچھ پریشانی ضرور ہے

دوسروں کو اپنے سے افضل سمجھے گا یا نہیں اگر افضل جانے گا تو حسد ہوگا اور اگر نہ جانے گا تو جہل لازم آئے گا۔ جواب یہ ہے کہ ہم اس شق کو اختیار کرتے ہیں کہ وہ افضل کو اپنے سے افضل جانے گا۔ لیکن وہ ان کے درجات کی تمنا نہ کرے گا اس لیے کہ اپنی استعداد اس کو معلوم ہوگی اور اپنے اعمال اس کو اپنے پیش نظر ہوں گے اور تفاوت[1] درجات وہاں تفاوت[2] اعمال سے ہوں گے اس لیے اس کو معلوم ہوگا کہ اس سے زیادہ درجہ مجھ کو نہیں مل سکتا اس لیے وہ اسی میں خوش ہوگا نہ کسی پر اس کو حسد ہوگا اور نہ زیادہ کا متمنی ہوگا۔

جنت میں کمال عبدیت

دوسرا جواب اس سے باریک ہے وہ یہ کہ وہاں سب عبد کامل ہوں گے تمام مقامات باطنی حاصل ہوں گے اور مقامات میں سے رضا بھی ہے اس لیے مقام رضا بھی اس کو حاصل ہوگا اور وہ اس میں اس قدر خوش ہوگا کہ درجات بلند کی اس کے قلب[3] میں تمنا نہ ہوگی جیسا کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ بعض طبائع[4] میں قناعت کا مضمون ایسا راسخ[5] ہے کہ ان کے قلب میں ترقی دینا نہ ہونا کیا معنی بلکہ اس سے نفرت ہے۔ ایک پولیس کے اہلکار دیکھے گئے کہ ان کے افسر کوشش کرتے ہیں کہ ان کی ترقی کریں مگر وہ منظور نہیں کرتے اور ان کے ہم چشم ان پر ہنستے ہیں، بات یہ ہے کہ طبائع کا مذاق مختلف ہے جبکہ دنیا میں اس کا نمونہ موجود ہے آخرت میں تو کیا بعید ہے۔

---

(۱) درجات کا فرق (۲) اعمال کی کمی بیشی سے (۳) ... درجوں کی ان کے دل میں تمنا نہ ہوگی (۴) طبیعتوں (۵) جما ہوا ہے

شبہ اور اس کا جواب

ہاں ایک شبہ رہا وہ یہ کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ جنتی آپس میں ملیں گے اور ایک جنتی دوسرے کو دیکھ کر تمنا کرے گا کہ جیسا لباس اس کا ہے ایسا ہی میرا بھی ہو۔

چنانچہ فوراً اسی طرح اس کا لباس ہوجائے گا اس سے معلوم ہوا کہ تمنا کرے گا جواب یہ ہے کہ یہ تمنا صرف لباس کے بارے میں آئی ہے درجہ کے بارے میں نہیں ہے اور لباس کے اندر مساواۃ ہونے سے درجہ کی مساواۃ یا فضیلت لازم نہیں کما ھو ظاھر جدا[1] پس جس میں فرق رہنا ضروری ہے یعنی درجہ اس کی تو تمنا نہ ہوگی اور جس کی تمنا ہوگی یعنی لباس اسی میں فرق ہونا ضروری نہیں۔ پس حسد کی کوئی گنجائش نہ ہوئی حاصل یہ کہ جنت کی نعمتیں سب خالص ہوں گی کدورت کا ان میں نام و نشان نہ ہوگا بخلاف نعماء دنیا کے کہ ان سب میں کچھ نہ کچھ کدورت[2] ضرور ہی ہوتی ہے۔

دنیا کا کوئی نقصان دائمی نہیں

اب مضرت دنیوی کو دیکھیے کہ مضرت دنیویہ خواہ کیسی ہی اشد[3] ہو لیکن فنا[4] ہونے والی ہے اگر کسی کو کوئی بیماری ہے اول تو دنیا ہی میں صحت ہوجاتی ہے ورنہ مر کر تو تمام مصائب کا خاتمہ ہو ہی جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی افلاس[5] میں یا کسی اور طرح کے رنج و غم فکر میں مبتلا ہوتا ہے سب ایک نہ ایک دن ختم ہوجاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ مضرت دنیا کو بقا[6] نہیں ہے۔

---

(۱) جیسا کہ ظاہر ہے (۲) رنجش (۳) سخت (۴) ختم ہونے والی (۵) تنگدستی (۶) دنیا کی تکلیف ہمیشہ رہنے والی نہیں

دنیا کا کوئی نقصان نفع سے خالی نہیں

اسی طرح دوسرے اعتبار سے دیکھیے کہ مضرت دنیا خالص مضرت نہیں بلکہ تامل[۱] سے دیکھا جاوے تو اس میں سینکڑوں منفعتیں دنیا اور دین کی ہوتی ہیں دنیا کی منفعت تو یہ کہ مثلاً ایک شخص کسی بیماری میں مبتلا رہتا ہے تو اگر یہ تندرست رہتا تو خدا جانے کیا کیا فساد کرتا اور اس کے سبب سے یہ ہوتا جیل خانہ جاتا اور ظاہر ہے کہ عاقل کے لیے آبرو جان سے زیادہ عزیز ہے اور دین کی منفعت تو بہت ہی ظاہر ہے کہ بیماری ذنوب[۲] کو محو کرتی ہے اور بہت سے منہیات[۳] سے روکتی ہے خلاصہ یہ کہ دنیا کی مضرت فنا ہونے والی بھی ہے اور من کل الوجوہ[۴] مضرت نہیں ہے بخلاف مضرت اخرویہ[۵] کے کہ وہ مضرت ہی[۶] مضرت ہے تمام مضرتیں وہاں علی الکمال[۷] موجود ہیں پس ثابت ہوا کہ منفعت دنیویہ فانی بھی ہے قلیل بھی[۸] ہے اور شوب بہ کلفت[۹] ہے اور اخروی منفعت باقی بھی ہے[۱۰] کثیر بھی ہے اور خالص بھی ہے اسی طرح مضرت دنیا فانی ہے اور غیر خالص[۱۱] اور اخروی مضرت[۱۲] باقی بھی ہے اور خالص ہے۔

اب روز روشن کی طرح فیصلہ ہو گیا اور آپ خود موازنہ کر سکتے ہیں کہ حاصل کرنے کے قابل کونسی منفعت ہوئی سو ظاہر ہے کہ مسلمان (جو کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا جانتا ہے) اس سوال کا یہی جواب دے گا کہ منفعت اخرویہ تحصیل کے قابل ہے اسی طرح دنیا اور آخرۃ کی مضرتوں میں موازنہ کر لیجیے کہ کون مضرت[۱۳] زیادہ بچنے کے قابل ہے ظاہر ہے کہ دنیا کی مضرت آخرت کی

---

(۱) غور سے (۲) گناہوں کو مٹادیتی ہے (۳) ممنوعہ چیزوں سے روکتی نہیں (۴) ہر اعتبار سے (۵) خلاف آخرت کی تکلیف کے (۶) وہ تکلیف ہی تکلیف ہے (۷) تکلیفیں وہاں مکمل طور پر ہیں (۸) پریشانی سے ملے ہوئے بھی (۹) آخرت کا فائدہ ہمیشہ رہنے والا بھی ہے اور زائد بھی (۱۰) دنیا کا نقصان ختم ہونے والا اور غیر خالص ہے (۱۱) آخرت کی پریشانی ہمیشہ رہنے والی ہے (۱۲) تکلیف

مضرت کے مقابلہ میں اصلاً قابل التفات[1] نہیں زیادہ اہتمام کے قابل آخرۃ کی مضرۃ ہے۔ اس کے بعد سمجھئے کہ آخرۃ کی منفعت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور آخرۃ کے ضرر سے کس طریق سے بچ سکتے ہیں۔

دوزخ سے بچنے اور جنت کے حصول کا طریقہ

تو سمجھ لیجئے کہ آخرۃ کی منفعت جنت ہے اور اس کے حاصل کرنے کا طریق اعمال صالحہ ہیں اور آخرۃ کی مضرت دوزخ ہے اور اس سے بچنے کا طریق بد اعمالیوں[2] سے بچنا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اعمال صالحہ کو اختیار کیا جاوے اور ذنوب[3] سے بچا جاوے اور جو ہو چکے ہیں ان سے توبہ کی جاوے خلاصہ یہ کہ مقصود دو شئے[4] ہیں اصلاح اعمال محو ذنوب[5] اور محو ذنوب کے معنی یہ ہیں کہ گذشتہ سے توبہ کی جائے اور آئندہ بچنے کا عزم کیا جائے لیکن اعمال کی تحصیل اور گناہوں سے بچنا اول تو اکثر لوگوں پر ہمیشہ ہی سے گراں اور ثقیل[6] ہے۔

پھر خصوصاً اس زمانہ میں تو اعمال صالحہ لوگوں پر بہت ہی بھاری ہیں چنانچہ بڑے ضروری اعمال، صلوٰۃ، صوم، حج، زکوٰۃ ہیں لیکن دیکھا جاتا ہے کہ ان سب کے اندر بے حد سستی کی جاتی ہے بلکہ مصیبت سمجھتے ہیں یہاں تک کہ اخبار میں شائع ہوا تھا کہ نماز نے ترقی کو روک دیا ہے کیونکہ یہ سن کر کہ مسلمان ہو کر پانچ وقت کی نماز پڑھنی پڑے گی اسلام سے بعضے آدمی رک جاتے ہیں اس لیے اس کو اسلام سے خارج کر دیا جاوے نعوذ باللہ ان احمقوں سے کوئی پوچھے کہ جس اسلام میں نماز نہیں وہ کیا اسلام ہوا۔ اس بے ہودہ رائے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عقل پرستوں پر نماز

---

(۱) بالکل توجہ کے قابل نہیں (۲) برے عملوں (۳) گناہوں (۴) چیزیں (۵) اعمال کی اصلاح اور گناہوں کا مٹانا (۶) ناگوار اور بھاری ہے

بہت ہی بھاری ہے۔

احکام دین کو بھاری سمجھنے کی چند مثالیں

ہمارے مدرسہ دیوبند میں ایک طالب علم نووارد آئے تھے منطقیوں کی صحبت میں بہت رہے تھے دین کی مطلق پروا نہ تھی نماز کی پابندی نہ تھی اور یہاں دیوبند میں نماز کا بڑا اہتمام ہے پانچ وقت سب طلبہ پابندی کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں تو جب نماز کا وقت آتا ان کو بھی زبردستی لے جاتے ایک روز کہنے لگے کہ حضور ﷺ جو معراج میں تشریف لے گئے تھے وہاں پچاس نمازیں فرض ہوئی تھیں پھر کم ہوتے ہوتے پانچ رہی تھیں معلوم ہوتا ہے کہ دیوبند میں پوری پچاس کی پچاس ہی باقی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ نماز ان کو سخت مصیبت معلوم ہوتی تھی حق تعالیٰ بھی فرماتے ہیں انها لكبيرة الا على الخاشعين[1]۔ یعنی بے شک نماز بہت بھاری ہے مگر ان لوگوں پر جو خشوع کرنے والے ہیں اسی واسطے میں تو نمازی کو ولی سمجھتا ہوں، حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ نماز پابندی کے ساتھ ادا ہوتی ہے۔

علی ہذا روزہ کو بہت ثقیل[2] سمجھتے ہیں، کانپور میں ایک شخص تھے انہوں نے کبھی روزہ ہی نہیں رکھا میں نے ان سے کہا تو کہنے لگے کہ میں کسی طرح متحمل ہی نہیں میں نے کہا کہ امتحان کے لیے ایک تو رکھو چنانچہ رکھا اور پورا ہو گیا تب معلوم ہوا کہ یہ خیال کتنا غلط تھا کہ میں متحمل ہی نہیں۔

بعض لوگ حج کا نام سن کر وہاں کی بہت مذمت[3] کرتے ہیں کہ وہاں بدو مار ڈالتے ہیں لوٹ لیتے ہیں اور بعضے تو گئے بھی نہیں مگر اوروں سے سُن سن کر وہ بھی مذمت کیا کرتے ہیں یہ سب کم ہمتی کی باتیں ہیں میں ان کو قسم دے کر

---

(۱) البقرہ آیت ۴۵ (۲) بھاری (۳) برائی

پوچھتا ہوں کہ کیا ہندوستان میں ایسے واقعات نہیں ہوتے بلکہ اگر وہاں کے مجمع پر نظر کی جائے تو حق تو یہ ہے کہ جس قدر واقعات ہونا چاہیئے ان سے بہت کم ہوتے ہیں ہندوستان میں اس کا عشر عشیر بھی اگر مجمع ہوجائے تو بہتر سے واقعات ہوجاتے ہیں بلکہ بغیر مجمع کے بھی راستوں میں واقعات ہوجاتے ہیں ہم یہ نہیں کہتے جیسا بعض کہتے ہیں کہ بدوؤں کو لوٹ مار حلال ہے اس لیے کہ وہ دائی حلیمہ سعدیہ کی اولاد ہیں یہ تو بالکل لغو ہے وہ اگر ایسا کرتے ہیں تو زیادہ گنہگار ہوتے ہیں لیکن یہ ضرور کہیں گے اور تم اس کو یاد رکھو کہ حج کا سفر سفر عشق ہے راہ عشق میں تو سب کچھ پیش آتا ہے بلکہ پیش نہ آنا عجیب ہے دنیا کے محبوب سے ملنے کے لیے کیسی کیسی مصیبتیں پیش آتی ہیں مگر سب گوارا کرتے ہیں۔

نسازد عشق را کنج سلامت   خوشا رسوائی کوئی ملامت

عشق کے لیے سلامتی گوشہ مناسب نہیں بلکہ بدنامی کے کوچہ کی رسوائی بہترین چیز ہے۔

عشق مولیٰ کے کم از لیلے بود   گوئے گشتن بہر او اولے بود

(اللہ تعالیٰ کا عشق لیلے کے عشق سے کب کم ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے تو گلی گلی پھرنا ہی بہتر ہے)

ایک بزرگ ایسے باہمت تھے کہ انھوں نے ۳۳ حج کیے تھے ایک شخص مولوی منظور احمد صاحب بنگالی تھے مدینہ طیبہ میں رہتے تھے مگر ہر سال حج کیا کرتے تھے اور حج کر کے مدینہ طیبہ لوٹ جاتے تھے حضرت حاجی صاحبؒ نے ان کو دیکھ کر ایک بار یہ شعر پڑھا۔

زہے سعادت آں بندہ کہ کرد نزول   گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسول ﷺ

(وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ کس قدر خوش نصیب ہے جو کبھی خدا کے گھر میں جا پہنچتا ہے

اور کبھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں)

اور بعضے ایسے بھی ہیں کہ قریب بیت اللہ شریف کے رہتے ہیں اور ان کو اب تک بھی حاضری نصیب نہیں ہوئی ایک صاحب فرماتے تھے کہ ایک بدوی بیس پچیس برس سے مکہ معظمہ آتا تھا اس نے ایک دن پوچھا کہ یہ لوگ اطراف وجوانب[1] سے اس کثرت سے یہاں کیوں آتے ہیں اللہ اکبر اس کو اتنی بھی خبر نہیں تھی کہ یہاں کیوں آتے ہیں۔

علی ہذا[2] زکوۃ میں گرانی ہوتی ہے چالیس ہزار میں سے جب ایک ہزار روپیہ نکلتا ہے تو گراں گذرتا ہے حالانکہ چالیسواں حصہ بہت ہی کم ہے امم سابقہ پر چوتھائی حصہ مال کا فرض تھا یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ چالیسواں حصہ ہی فرض کیا گیا یہ بھی لوگوں پر بھاری ہے۔

احکام دین سراپا رحمت ہیں

آج کل کے نو تعلیم یافتہ اس فکر میں ہیں کہ احکام شرعیہ ہماری عقل کے موافق ہوتے ہیں واللہ خدا تعالیٰ کی بڑی رحمت ہے کہ عقل کے فتوے پر حکم شرعی نہیں ہے عقل تو یوں چاہتی ہے کہ اگر کسی کے پاس چالیس ہزار روپیہ ہو تو ۳۹ ہزار بلکہ زیادہ زکوۃ میں دیا جائے اور ایک ہزار خود رکھا جائے اس لیے کہ دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ غرباء مستحقین زکوۃ کی تعداد زیادہ ہے اور اغنیاء کی کم ہے اور ادھر یہ ثابت ہے کہ بنی آدم اعضائے یک دیگر اند[3] اور نیز مساواۃ بین الاقوام[4] آج کل کے اصول عقلیہ سے ہے تو ایک شخص کو کوئی حق اس بات کا

---

(۱) ارد گرد سے (۲) اسی طرح (۳) سب آدمی ایک دوسرے کے لیے مثل اعضاء کے ہیں (۴) قوموں میں برابری

نہیں ہے کہ اس کے پاس ۴۰ ہزار روپیہ ہوں اور دوسرا نان شبینہ[۱] کو محتاج ہو پس یہ رحمت نہیں تو کیا ہے ایک ہزار زکوٰۃ کے واجب ہوئے اور ۳۹ ہزار رکھنے کی اس کو اجازت ہوئی اگر کوئی کہے کہ جب یہ عقل کا مقتضا تھا تو شریعت نے اس کا کیوں اعتبار نہیں کیا احکام شرعیہ عقل کے خلاف ہیں جواب یہ ہے کہ اگر عقل کے فتوے کے موافق زکوٰۃ میں حکم ہوتا تو اس میں تمدن[۲] محفوظ نہ رہتا اس لیے کہ سب یکساں حالت میں ہوتے اگر کسی کو کوئی کام پیش آتا اور مزدور کی ضرورت ہوتی تو کہاں سے آتا، خدمت گار کہاں سے ملتا۔ حجام، دھوبی، نائی بھنگی کے کام کون کرتا غرضیکہ یہ سب کام اٹکے رہتے اور زندگی گذارنا مشکل ہوتا۔ اس سے آپ کو شریعت کی خوبی معلوم ہوئی ہوگی کہ اس کے احکام کتنے مصالح اور حکم پر مبنی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شریعت جو ہمدردی کرتی ہے وہ آپ کی عقل نہیں کرسکتی حاصل یہ کہ جس قدر احکام شرعیہ ہیں سب کے اندر لوگوں کو گرانی ہوتی ہے۔

ترکِ افعال میں گرانی

اور جو احکام کرنے کے ہیں ان میں گرانی ہو تو زیادہ تعجب نہیں ہے جن امور[۳] سے منع کیا گیا ہے ان میں بھی گرانی ہوتی ہے حالانکہ ترک فعل سے اسہل[۴] ہے فعل میں تو ایک کام کا کرنا ہوتا ہے اور ترک میں کیا مشقت ہے بلکہ سہولت ہونا چاہیے دیکھیے ایک ادنیٰ سی[۵] شئے غیبت ہے کہ بجز[۶] مضرت کے اس میں اور کچھ نہیں اور گناہوں میں تو کچھ حظ[۷] یا نفع دنیوی[۸] بھی مرتکب[۹] کے زعم میں ہوتا ہے اور اس میں تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن ہم لوگوں

---

(۱) ایک وقت کی روٹی کا بھی محتاج ہو (۲) امن و عشرت (۳) جن کاموں سے منع کیا گیا ہے (۴) [illegible] کسی کام کو چھوڑنا کرنے سے زیادہ آسان ہے (۵) چھوٹی سی چیز (۶) سوائے نقصان کے (۷) [illegible] (۸) دنیا کا فائدہ (۹) فعل کرنے والے کے خیال میں

سے یہ نہیں چھوٹتی غرضیکہ احکام شرعیہ خواہ متعلق فعل کے ہوں یا ترک[1] کے سب ہیں لوگوں کو گرانی ہوتی ہے اور جب ایک ایک فعل اور ایک ایک ترک بھی گراں ہے تو جب کہ پچاس عمل کرنے کے ہوں اور پچاس نہ کرنے کے جیسے احکام کی اب موجودہ حالت ہے تو سو مشقتیں ہوئیں سن کر بھی جی گھبرا جاوے گا کہ میاں یہ تو بڑی مصیبت آپڑی کہ یہ کام کرو وہ نہ کرو سخت الجھن اور دشواری ہے کوئی میاں فلسفی بتلائے توصیح کہ یہ معمہ کس طرح حل ہو اور یہ دشوار کس طرح سہل[2] ہو اگر تمام فلاسفہ قدیم وجدید[3] جمع ہو کر سوچیں تو ہرگز کوئی طریقہ ایسا نہیں نکال سکتے جس سے پیچ گی اور یہ بکھیڑے کھلے اور اگر کوئی سوچ بچار کر کوئی طریقہ نکالے بھی تو وہ سہل نہ ہوگا۔

گناہوں سے بچنے اور نیکی کرنے کی آسان ترکیب

حق تعالیٰ شانہ نے اپنے بندوں کی اس مشقت اور اس الجھن کو دفع[4] کرنے کے لیے ایک طریقہ نہایت مختصر لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے۔ اس آیت کریمہ میں جو میں نے تلاوت کی ہے اسی طریقہ کا بیان ہے یہ حاصل ہے اس تقریر کا اجمالاً اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اول ثابت ہو چکا ہے کہ دو شئے مقصود ہیں اعمال صالحہ کا حاصل کرنا اور محو ذنوب[5] اور ان میں بھی گرانی اس کی سہولت کے لیے دو طریق ارشاد فرمائے ہیں کہ ان کو اختیار کرلو تو وہ دو چیزیں جو بڑی مشقت کی تھیں وہ آسان ہو جاویں گی۔ ان میں سے ایک اتقوا اللہ ہے اور دوسرے قولو قولاً سدیدا ہے یعنی اللہ سے ڈرو اور بات ٹھیک کہو اس پر دو شے مرتب فرمائی

---

(۱) شریعت کے کام چاہے کرنے سے متعلق ہوں یا نہ کرنے سے (۲) آسان (۳) نئے پرانے فلسفی (۴) دور کرنے کے لیے (۵) گناہوں کا مٹانا

ہیں یصلح لکم اعمالکم ویغفرلکم ذنوبکم یعنی اگر تم ان دو باتوں کو اختیار کرلو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اصلاح فرمادیں گے اور تمہارے گناہ بخشدیں گے اور ان ہی میں تم کو گرانی تھی جس کا اوپر بیان ہوا۔ حاصل یہ کہ تقویٰ جس کا ترجمہ خدا کا خوف ہے فعل قلب کا ہے اور کہنا فعل زبان کا ہے خلاصہ طریق کا یہ ہوا کہ دل اور زبان کو تم درست کرلو باقی سب کام ہم کردیں گے قلب ایک شے ہے اس کے متعلق صرف ایک شے بتلائی ہے کچھ جھگڑے کی بات نہیں ہے ایک نہایت مختصر کام فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ڈر پیدا کرلو جیسے کسی شخص سے کہا جاوے کہ یہ پچاس گاڑیاں ہیں ان کو ایک دم سے چلاؤ اور وہ سخت پریشان ہو کہ میں کس طرح چلاؤں یہ تو سخت مشکل ہے پھر اس کو طریق ایک بتلایا جاوے کہ اسی میں انجن لگادو سب گاڑیاں خود بخود چل پڑیں گے واللہ ایسی بے نظیر تعلیم ہے کہ کوئی حکیم کوئی فلسفی کوئی عاقل مثل نہیں لاسکتا اور کیوں نہ ہو وہ ایک مطب ہے ایسی ذات پاک کا جو انسان کے رگ پٹھوں کے ریشہ ریشہ سے واقف ہے اس لیے اس کی حالت کو دیکھ کر علاج تجویز کیا ہے۔

دل مرکز افعال ہے اس کی اصلاح کا طریقہ

اب دیکھنا چاہیے کہ ان دونوں چیزوں کو اصلاح اعمال اور محو ذنوب[1] میں دخل ہے یا نہیں تو بعد تامل[2] یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہمارے افعال کی ترتیب یوں ہے کہ اول قلب سے ارادہ پیدا ہوتا ہے اس کے بعد صدور ہوتا ہے گویا انجن قلب[3] ہے تو اگر قلب درست ہوگیا تو سب کچھ درست ہوجائے گا بلکہ اگر غور سے دیکھا جاوے تو یہ دنیا کا سارا جہاز اور تمام بکھیڑے سب کے سب

(۱) گناہوں کے مٹانے میں (۲) غور کرنے کے بعد (۳) دل

قلب ہی کے خیال پر چل رہے ہیں یہ پہاڑ کی برابر عمارتیں یہ ہرے بھرے باغ یہ طرح طرح کے سامان سب کا انجن خیال ہی ہے اسی واسطے تو حدیث میں آیا ہے کہ ان فی الجسد مضغۃ اذا صلح صلح الجسد کلہ واذا فسد فسد الجسد کلہ یعنی آدمی کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا جب وہ درست ہوتا ہے تو تمام جسم درست ہوجاتا ہے اور جب وہ بگڑتا ہے تو تمام جسم بگڑ جاتا ہے اور یہ مسئلہ طبی قاعدہ سے بھی درست ہے اس لیے کہ امراض قلب[۱] تمام امراض میں بہت سخت ہیں اگر قلب صحیح اور قوی ہے تو اور امراض کو طبیعت خود دفع کردیتی ہے اور اگر قلب میں ضعف[۲] اور مرض ہے تو اور جسد[۳] کتنا ہی قوی ہو سب بیکار ہے جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ قلب کی درستی سے تمام اعمال کی درستی ہوتی ہے تو قلب کی درستی کس سے ہو؟ تو ہم دیکھتے ہیں کہ قلب کے بھی بہت سے افعال ہیں تو اگر حق تعالیٰ تمام افعال کا حکم فرمادیتے یا اجمالاً یہ فرمادیتے کہ اپنے قلب کو درست کرو تو اس صورت میں بھی نفس کو ایک مشقت ہوتی کہ قلب کو کس طرح درست کریں کیا رحمت ہے کہ قلب کے تمام افعال میں سے صرف ایک مختصر سی بات فرمائی کہ صرف ہمارا خوف اختیار کرلو باقی سب ہم درست کردیں گے اور وجہ یہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حاکم کا اگر ڈر دل میں بیٹھ جاتا ہے تو اس کی مخالفت پر جرات نہیں ہوتی اسی طرح اگر خدا تعالیٰ کا خوف کسی کے دل پر بیٹھ جائے تو اس سے گناہ نہ ہوں گے اور اعمال کی اصلاح ہوجاوے گی اور گذشتہ سے توبہ اور آئندہ کے لیے عزم ترک[۴] بھی کرے گا یہ محو ذنوب[۵] ہوا پس معلوم ہوگیا کہ تقویٰ کو اصلاح اعمال و محو ذنوب میں پورا دخل ہے اور تقویٰ اصلاح اعمال کے لیے بمنزلہ علت تامہ کے ہے۔

---

(۱) دل کے امراض (۲) کمزوری (۳) جسم (۴) گناہ چھوڑنے کا پختہ عزم بھی کرلیا (۵) یہ گناہوں کا مٹانا ہوا

موانع تقویٰ

اب اس کے بعد سمجھنا چاہیئے کہ ہر شئے کے لیے کچھ موانع ہوتے ہیں اور کچھ ذرائع اس کی تحصیل کے ہوتے ہیں اسی طرح خوف کے لیے موانع بھی ہیں اور ذرائع کی تحصیل کے بھی موانع کو بیان کیا جاتا ہے اور طریقہ تحصیل آخر میں بیان کیا جاویگا تو سمجھنا چاہیئے کہ خوف سے روکنے والی صرف دو چیزیں ہیں اول تو عدم ایمان دوسرے تسویل شیطانی[1] عدم ایمان[2] تو ظاہر ہے کہ بفضلہ تعالیٰ یہاں نہیں ہے اس لیے اس کے متعلق تو کچھ کلام کرنا ضروری نہیں البتہ تسویل شیطانی میں ابتلائے عام ہورہا ہے اس کو بیان کیا جاتا ہے کہ شیطان نے سب کو یہ پٹی پڑھا رکھی ہے کہ میاں جو کچھ کرنا ہے کرلو اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے آخر میں توبہ کرلیں گے سب بخشدیں گے۔ چنانچہ ارشاد بھی ہے۔

قل یاعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفرالذنوب جمیعاً انہ ھو الغفور الرحیم۔

تو سن لیجیے کہ حق تعالیٰ بیشک غفور الرحیم ہے لیکن غفور الرحیم کے وہ معنی نہیں ہیں جو یہ لوگ سمجھتے ہیں بلکہ غفور الرحیم کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ نافرمانیاں کرچکے ہیں اور نادم ہیں لیکن ان کو یہ تردد ہوتا ہے کہ آئندہ کے لیے تو خیر یہ تدبیر ہے کہ گناہ نہ کریں لیکن گذشتہ کرتوت کی اصلاح کیسے ہو تو ان کے لیے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ گذشتہ گناہوں کو بخشنے والا ہے چنانچہ شان نزول میں اسی خیال کے جواب میں نازل ہونا اس آیت کا مصرحاً[3] مذکور ہے پس یہ آیت گناہان ماضی کے لیے ہے نہ یہ کہ آئندہ کے لیے بھی گناہ کی اجازت دے رہے ہیں اب لوگ مستقبل کے لیے بھی اسی آیت کو اپنا متمسک[4] بناتے ہیں یہ سراسر غلطی ہے یاد رکھو

---

(۱) شیطانی دھوکہ (۲) ایمان کا نہ ہونا (۳) واضح طور پر (۴) اسی آیت سے دلیل پکڑتے ہیں

کہ توبہ کی مثال مرہم کی سی ہے اور گناہ کی مثال آگ کی سی ہے مرہم تو اس لیے ہے کہ اتفاق سے اگر جل جاوے تو مرہم لگا دیا جاوے اس لیے نہیں ہے کہ اس اعتماد پر کہ ہمارے پاس مرہم ہے آگ میں گھسا کریں جس شخص کے پاس نمک سلیمانی ہو اس کو یہ کب روا ہے کہ جان جان کر بہت سا کھایا کرے نمک سلیمانی تو اس واسطے ہے کہ اگر اتفاق سے بہت کھایا جائے تو نمک سلیمانی کھا لیا جاوے اس سے ہضم ہو جاوے گا اور ایسا کرے گا تو ایک روز جان سے ہاتھ دھوئے گا۔ اسی طرح جو شخص توبہ کے اعتماد پر گناہ کرتا ہے گا ایک دن عجب نہیں وہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے غرضیکہ توبہ کے بھروسہ گناہ کرنا بہت حماقت ہے۔

زبان کے گناہ سب اعضاء سے زائد ہیں

اس تمام تر تقریر سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ طریقہ اصلاح اعمال و معافی ذنوب[1] کا فقط اتنا ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا کر لو تو اسی سے تمام اعمال درست ہو جاویں گے اور زبان کی درستی بھی اگرچہ اس میں داخل ہے مگر پھر زبان کی درستی کو مستقلاً طریقہ کا جزو کیوں بنایا گیا اس میں کیا راز ہے پس بجائے اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً کے یوں فرماتے یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ یسدد لکم لسانکم و یصلح لکم اعمالکم الخ یوں نہیں فرمایا بلکہ و قولوا قولاً سدیداً کا اتقوا اللہ پر عطف کیا اور اس کو مستقل طریقہ قرار دیا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ اعمال بہت سے ہیں ایک وہ جو ہاتھ پاؤں آنکھ وغیرہ سے ہوتے ہیں ایک وہ جو زبان سے ہوتے ہیں اور ان دونوں قسموں میں کئی قسم کا تفاوت[2] ہے۔

ایک یہ کہ سوائے لسان[3] کے اور سب جوارح[4] عمل کرنے سے

---

(۱) اعمال کی درستگی اور گناہوں سے معافی کا ذریعہ (۲) فرق (۳) زبان (۴) اعضاء

تھک جاتے ہیں پاؤں تھک جاتا ہے کثرت سے چلنے سے، ہاتھ تھک جاتا ہے ان اعمال سے جو ہاتھ سے کیے جاتے ہیں آنکھ تھک جاتی ہے زیادہ دیکھنے سے۔

مگر یہ لسان بولنے سے نہیں تھکتی اگر لاکھ برس تک بک بک کرو تو ہرگز نہ تھکے گی۔ یہ بات دوسری ہے کہ بکثرت بولنے سے دل کے اندر بے رونقی سی پیدا ہوکر بولنے سے نفرت ہوجاوے لیکن زبان کو فی نفسہ کوئی تکان نہ ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ لسانی اعمال سب جوارح کے اعمال سے عدد میں زیادہ ہوں گے بس گناہ بھی اس سے زیادہ ہوں گے۔

زبان ظاہر بدن بھی اور باطن بدن بھی

ایک تو یہ تفاوت ہوا دوسرے یہ کہ زبان مثل برزخ[1] کے ہے درمیان قلب و جوارح[2] کے قلب سے بھی اس کو مشابہت ہے اور جوارح سے بھی اور یہ مشابہت حقی بھی ہے اور باطنی بھی حقی یہ کہ قلب بالکل مخفی و مستور[3] ہے اور جوارح بالکل ظاہر[4] اور زبان مستور من وجہ و مکشوف من وجہ[5] ہے چنانچہ شارع[6] نے بھی اس کا اعتبار کیا ہے کہ صایم[7] اگر منہ میں کوئی چیز لے کر بیٹھ جائے روزہ نہیں ٹوٹتا اس میں کے مکشوف[8] ہونے کا اعتبار کیا گویا جوف[9] میں وہ چیز نہیں گئی اور اگر تھوک نگلے تو بھی روزہ نہیں ٹوٹتا اس میں مستور[10] ہونے کا اعتبار کیا گویا جوف سے جوف[11] میں ایک چیز چلی گئی اور

---

(۱) جیسے قبر عالم برزخ ہے کہ دنیا اور آخرت کے درمیان کا زمانہ ہے (۲) دل اور اعضاء (۳) بالکل پوشیدہ (۴) اور اعضاء بالکل ظاہر (۵) اور زبان ایک اعتبار سے پوشیدہ اور ایک اعتبار سے ظاہر (۶) شریعت نافذ کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ (۷) روزہ دار (۸) اس میں ظاہر ہونے کا (۹) گویا منہ میں وہ چیز گئی (۱۰) پوشیدہ ہونے (۱۱) گویا حلق کے اندر ہی ایک چیز ہے جیسے رگوں میں اور معدہ کی نالیوں میں غذا گھومتی رہتی ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، روزہ تو باہر سے کوئی چیز حلق میں جائے تو ٹوٹتا ہے تو یہاں شریعت نے منہ [illegible] کا حصہ شمار کرکے اس پر روزہ ٹوٹنے کا حکم لگایا ہے

غسل میں کلی کرنا فرض ہوا یہ مکشوف"[1] ہونے کا اعتبار فرمایا اور باطنی مشابہت یہ ہے کہ جیسے قلب کی اصلاح سے تمام بدن کی اصلاح ہوتی ہے اسی طرح زبان کی اصلاح سے تمام اعمال جوارح کی اصلاح ہوجاتی ہے جو شخص ساکت ہوکر بیٹھ جاوے اس کے ہاتھ سے نہ ظلم ہوگا نہ زیادتی ہوگی نہ کسی سے لڑائی ہوگی نہ تکرار ہوگا اس لیے زبان چلانے ہی سے نوبت ہاتھ پاؤں تک پہنچتی ہے ان سب سے حدیث کی بھی تنویر ہوگئی اذا اصبح ابن ادم فان الاعضاء کلھا تکفر اللسان فتقول اتق اللہ فینا نانا نحن بک فان استقمت استقمنا وان اعوججت اعوججنا یعنی جس وقت ابن آدم صبح کرتا ہے تو اس کے تمام اعضاء زبان کو قسم دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (اے زبان) ہمارے بارے میں اللہ سے ڈر کیونکہ ہم تیرے ساتھ ہیں پس اگر تو راست ہوگی تو ہم سب راست رہیں گے اور اگر تو کج ہوگی ہم سب کج ہوجاویں گے۔

زبان قلب کی معتبر ہے

تیسرا تفاوت دیگر جوارح اور لسان میں یہ ہے کہ زبان قلب کی معتبر"[2] ہے زبان سے جو کچھ کہا جاتا ہے اس سے پوری حالت قلب کی معلوم ہوجاتی ہے اور اگر ساکت رہے تو کچھ حال معلوم نہ ہوگا کہ یہ شخص کیسا ہے زبان ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص متواضع ہے یا متکبر ہے قانع ہے یا حریص عاقل ہے یا احمق دشمن ہے یا دوست خیر خواہ ہے یا بد خواہ بخلاف ہاتھ پاؤں کے سب شب

---

(۱) اور غسل میں جب کلی کریگا تو منہ میں پانی جائیگا تو اگر منہ اندر کا حصہ ہے یعنی داخل جسم ہے تو اس میں پانی جاکر روزہ ٹوٹنا چاہیے لیکن روزہ نہیں ٹوٹے گا اس جگہ شریعت نے اس کو ظاہر میں شمار کیا ہے جیسے جسم و ہاتھ پہ پانی ڈالنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ایسے ہی کلی کرنے سے بھی نہیں ٹوٹیگا جب تک حلق سے نیچے نہ اتر جائے (۲) دل کی مراد کو ظاہر کرنے والی

ہو سکتا ہے ایک ہی طرح کا فعل ہاتھ پاؤں سے دوست دشمن سے صادر ہو سکتا ہے مثلاً قتل واقع ہوا تو اس سے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے یہ کہ قاتل دشمن ہی تھا۔ ممکن ہے کہ دوست ہو اور وہ کسی اور کو قتل کرنا چاہتا ہو اور ہاتھ چوک گیا ہو چنانچہ ایک جگہ کا واقعہ ہے کہ ایک بھائی نے بندوق چلائی دوسرے بھائی کی آنکھ میں ایک چھرہ جالگا اسی طرح سے مار پیٹ کبھی عداوت[1] سے ہوتی ہے کبھی تادیب[2] کے لیے ہوتی ہے غرض ایک شق[3] متعین کرنے کے لیے خارجی قرائن کی ضرورت ہوتی ہے۔ بخلاف لسان کے کہ یہ پوری نائب قلب کی ہے۔

زبان کو تمام اعمال صالحہ میں دخل ہے

چوتھا تفاوت[4] یہ ہے کہ تعلقات دو قسم کے ہیں ایک اپنے نفس کے ساتھ دوسرے غیروں کے ساتھ جو تعلق اخوت محبت عداوت[5] کا ہوگا وہ بدولت زبان[6] کے ہوگا اور یہ ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ میں ہم کو دوسروں کی امداد کی ضرورت ہے بغیر دوسروں کی امداد کے ہم رکعت تک نہیں پڑھ سکتے اس لیے کہ نماز کا طریقہ ہم کو کسی نے بتلایا ہوگا اس لیے ہم نماز پڑھتے ہیں قرآن شریف کسی نے پڑھایا اس لیے ہم پڑھتے ہیں روزہ کی فرضیت اور اس کی تاکید اور اس کی ماہیت کسی نے بتائی اس لیے روزہ رکھتے ہیں علیٰ ہذا تمام اعمال صالحہ اور ان بتلانے سکھلانے والوں نے بلا تعلق تو بتلایا نہیں اور وہ تعلق پیدا ہوا ہے لسان سے اور نیز تعلیم بھی ہم کو بذریعہ لسان کے کی گئی ہے تو اس اعتبار سے لسان کو تمام اعمال صالحہ میں داخل ہوا گویا یہ تمام اعمال صالحہ بدولت اس لسان ہی کے ہم سے

---

(۱) دشمنی (۲) ادب سکھانے کے لیے (۳) ایک جانب (۴) فرق (۵) بھائی چارگی محبت اور دشمنی (۶) زبانی وجہ سے

صادر ہوتے ہیں جبکہ دیگر جوارح اور لسان میں اس قدر تفاوت ہوئے اور لسان کو اعمال صالحہ کے وجود میں ایک دخل عظیم ہوا اس لیے حق تعالیٰ شانہ نے اس کو مستقل جزو طریقہ اصلاح کا بنادیا اگرچہ تقویٰ سے جو درستی ہوگی درستی لسان بھی اس کا فرد عظیم(۱) ہے۔

خلاصہ وعظ

خلاصہ یہ کہ ہمارے ذمہ دو کام ہوئے ایک خدا کا خوف دوسرے زبان کی اصلاح ان دونوں کے جمع ہونے سے آئندہ کے لیے اعمال کی اصلاح ہوگی اور گذشتہ گناہ معاف ہوجائیں گے۔

اور یصلح کی نسبت جو اپنی طرف فرمائی حالانکہ بظاہر اصلاح اعمال کام عبد کا ہے تو وجہ اس کی یہ اشارہ ہے کہ ہم کو اپنے اوپر نظر نہ ہونا چاہیے اور یہ نہ سمجھیں کہ یہ کام ہم نے کیا ہے اس لیے فرماتے ہیں کہ ناز مت کرو جو کچھ کرتے ہیں ہم کرتے ہیں اور خیر اگر کچھ ہمارے اختیار میں بھی ہے تو یہ ہے کہ مثلاً ہم نماز پڑھتے ہیں لیکن پوری درستی جو مفہوم ہے یصلح کا یعنی یہ کہ جیسے چاہیے اس طرح کی نماز پڑھنا اور قلب کا اس میں حاضر ہوجانا یہ سب خدا کی طرف سے ہے اور اس نسبت میں ایک اور نکتہ ہے وہ یہ کہ گویا فرماتے ہیں کہ یہ اعمال تو تم نے کرلیے لیکن ہم اس کی اصلاح کرکے فرشتوں کی معرفت پیش کرادیں گے جیسے بچہ سے کہا کرتے ہیں کہ یہ شئے اٹھالاؤ اور وہ اٹھا نہیں سکتا تو خود اٹھاتے ہیں اور اس کا ہاتھ بھی لگوالیتے ہیں اور اٹھانے کی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں اور اس پر انعام دیتے ہیں ایسی ہی ہمارا نماز روزہ ہے کہ خود توفیق دیتے ہیں خود رکھواتے ہیں اور خود ہی

---

(۱) اس کا ایک بڑا حصہ ہے

انعام عطا فرماتے ہیں۔ اللہ اکبر کس قدر رحمت ہے اور دوسری شئے جو اتقواللہ[1] لخ پر مرتب فرمائی وہ یغفرلکم ذنوبکم[2] ہے بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بجائے یغفرلکم ذنوبکم کے یجنبکم ذنوبکم فرماتے یعنی تم کو گناہوں سے بچالیں گے یہ نہیں فرمایا اس لیے کہ گناہوں سے بچانا تو یصلح لکم میں آچکا ہے ذنوب ماضیہ باقی تھی ان کی نسبت فرمایا کہ ان کی بھی فکر نہ کرو ان کو بھی اللہ تعالیٰ محو[3] فرمادیں گے۔

تقویٰ کے حصول کا مخصوص گر

اب میں آپ کو خوف (کہ جس سے تمام اعمال درست ہوجاتے ہیں) اس کے حاصل ہونے کا طریقہ بتلاتا ہوں اور وہ طریقہ گویا ایک گر ہے اور میرے تمام وعظ کا گویا خلاصہ ہے اور وہ اپنی طرف سے نہیں کہتا بلکہ وہ بھی حق تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے وہ یہ ہے ولتنظر نفس ما قدمت لغد یعنی فکر آخرت کیا کرو اور فکر آخرت کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت مقرر کرلو مثلاً سوتے وقت روزمرہ بلاناغہ بیٹھ کر سوچا کرو کہ معاد کیا ہے اور مر کر ہم کو کیا پیش آنے والا ہے مرنے سے لیکر جنت میں داخل ہونے تک جو واقعات ہونے والے ہیں سب کو سوچا کرو کہ ایک دن وہ آئیگا کہ میرا اس دار فانی سے کوچ ہوگا سب سامان مال اسباب، باغ، نوکر چاکر، اولاد بیٹا بیٹی، ماں، باپ، بھائی، خویش، اقارب، دوست، دشمن سب یہیں رہ جاویں گے میں تن تنہا سب کو چھوڑ کر قبر کے گڑھے میں جالیٹوں گا اور وہاں دو فرشتے آویں گے اگر میرے دن بھلے ہیں تو اچھی صورت میں ورنہ خدا نخواستہ ڈراونی صورت میں نہایت ہولناک آواز سے آکر سوالات کریں گے پس اے نفس اس

(۱) اللہ سے ڈرو (۲) بخشدینگے تم کو تمہارے گناہ (۳) ختم

وقت کوئی تیرا مددگار نہ ہوگا تیرے اعمال ہی وہاں کام آویں گے اگر سوالات کے جواب درست ہوگئے سبحان اللہ جنت کی طرف کی کھڑکی کھل جاویں گی اور اگر خدانخواستہ امتحان میں ناکام رہا حفرۃ من حفر النار[۱] ہوگی اس کے تو قبر[۲] سے اٹھایا جائیگا اور نامۂ اعمال اڑائے جاویں گے حساب کتاب کے لیے پیش کیا جاویگا، پل صراط پر چلنا ہوگا اے نفس تو کس دھوکہ میں ہے اور ان سب واقعات پر تیرا ایمان ہے اور یقیناً جانتا ہے کہ یہ ہوکر رہیں گے پھر کیوں غفلت ہے اور کس وجہ سے گناہوں کے اندر دلیری ہے کیا دنیا میں ہمیشہ رہنا ہے اے نفس تو ہی اپنا غمخوار بن اگر تو اپنی غمخواری نہ کرے گا تو تجھ سے زیادہ کون تیرا خیر خواہ ہوگا اسی طرح گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ ان واقعات کو تفصیل سے سوچا کرے میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ انشاء اللہ چند ہی روز کے بعد دیکھوگے کہ خوف پیدا ہوگیا اور خوف پیدا ہونے کے بعد آپ کو ماضی سے توبہ کی فکر ہوگی اور آئندہ کے لیے اطاعت کی توفیق ہوگی اس وقت آپ کو مشاہدہ ہوگا الحمد للہ پر کیسے اصلاح اعمال و محو ذنوب مرتب ہوگئے آگے فرماتے ہیں و من یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزاً عظیما یعنی جو شخص اللہ و رسول ﷺ کی اطاعت کرے وہ بیشک بڑی کامیابی کو پہنچا یطیع میں اشارہ ہے کہ جو شخص خوشی سے کہنا مانے اس لیے کہ یہ طلوع سے مشتق ہے اور خوشی سے کہنا ماننا بدون محبت اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوتا۔

اور اللہ کی محبت کے حاصل ہونے کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا یاد کرنا ہے اس کے لیے بھی ایک وقت مقرر کرکے سوچا کرو کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کی کس قدر نعمتیں ہیں چند روز کے بعد آپ کو مشاہدہ ہوگا کہ ہم سرتا[۲] سر عنایات اور

---

(۱) دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا (۲) سر اسر

نعمتوں میں غرق ہیں اس سے آپ کے قلب میں حق تعالیٰ کی محبت اور اپنی ناکارگی اور تقصیر جاگزیں ہوگی اور جناب رسول اللہ ﷺ کو یطیع کا تعلق آپ سے بھی ہے آپ کے ساتھ محبت کا طریقہ بھی یہی ہے کہ حضور ﷺ نے جو ہمارے لیے مشقتیں اٹھائیں اور اپنی امت پر شفقت فرمائی اس کو سوچا کرو جب محبت پیدا ہوگی۔ اطاعت خوشی سے ہوگی ادہر محبت ہوگی اور پہلے جو طریقہ بیان کیا اس سے خوف ہوگا یہ دونوں شئے آپ کے دین دنیا دونوں درست کردیں گے اور بڑھی کامیابی سے یہی مراد ہے اب اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیے کہ حق تعالیٰ ہم کو اصلاح اعمال کی توفیق عطا فرماویں و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمدا وآلہ واصحابہ اجمعین. والسلام

ناظرین! آپ سے استدعا ہے کہ جامع وعظ ہذا اور عبدالمنان کے لیے بھی دعائے حسن خاتمہ فرماویں (۱)

تاریخ تحریر ۱۵ شوال سنہ ۱۳۳۰ھ فقط

تمت بالخیر

(۱) محشی کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں (خلیل احمد تھانوی)

درود لامتناھی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یَارَبِّ صَلِّ وَسَلِّمْ مُضْعفاً اَبَداً   علی النَّبِیِّ کَمَا کَانَتْ لَکَ الْکَلِمْ

ترجمہ:

یا اللہ حضور ﷺ پر اپنے کلمات کی بقدر درود و سلام نازل فرما دو گنا در دو گنا ہمیشہ:

یعنی اس شعر کے یہ ہیں کہ اے اللہ حضور ﷺ پر اپنے کلمات کے بقدر درود شریف نازل فرما اللہ تعالیٰ اپنے کلمات کے بارے میں قرآن حکیم میں فرماتے ہیں۔

"قل لوکان البحر مداداً لکلمت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی ولوجئنا بمثلہ مدداً"۔ الکھف آیت ۱۰۹

ترجمہ: کہہ دیجئے اگر ہو سمندر سیاہی باتیں لکھنے کیلئے میرے رب کی تو ختم ہو جائے سمندر پیشتر اسکے کہ ختم ہوں باتیں میرے رب کی اور اگرچہ ہم لے آئیں ایسا ہی اور (سمندر) مدد کیلئے:۔ ایک دوسری آیت میں یوں ارشاد فرمایا:۔

"ولو ان مافی الارض من شجرۃ اقلام والبحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر مانفدت کلمت اللہ ان اللہ عزیز حکیم"۔:

ترجمہ: اور جو کچھ زمین میں ہیں درخت وہ قلمیں ہو جائیں اور سمندر (سیاہی) کہ مدد کریں اسکی اسکے ساتھ سات سمندر اور بھی تو بھی نہ ختم ہوں کلمات الٰہی بیشک اللہ بڑا غالب حکمت والا ہے۔ لقمٰن آیت ۲۷

تو مطلب اب یہ ہوا کہ اپنے ان لامتناہی کلمات کی بقدر، حضور ﷺ پر درود و سلام نازل فرما اور وہ بھی مضعفا یعنی دو گنا در دو گنا کہ دو اسکا دو گنا چار اسکا دو گنا آٹھ اور اسکا دو گنا سولہ اور اسکا دو گنا بتیس اس حساب سے اس میں اضافہ کرتے رہیں الی غیر النھایۃ۔ اور پھر وہ بھی ابداً یعنی ہمیشہ ہمیشہ۔ تو گویا اس ایک شعر میں اللہ پاک سے یوں کہا جا رہا ہے۔ حضور ﷺ پر میری طرف سے لامتناہی درود ہمیشہ بھیجتے رہیے۔

خلیل احمد تھانوی

مجدد ملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کا

ارشاد گرامی

علماء کی خدمت مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے: اور آپ کے ذمہ ان کی خدمت ضروری بھی ہے کیونکہ وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ دین کی حفاظت سب مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے تو یہ سب مسلمانوں کا کام ہے، جو لوگ علم دین کی تعلیم و تعلم میں لگے ہوئے ہیں وہ سب مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ کو ادا کر رہے ہیں اگر یہ لوگ پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیں تو پھر یہ کام ہر شخص پر فرض ہو جائے، اور اگر کسی نے بھی اس کو انجام نہ دیا تو سب گنہ گار ہوں گے، بس یہ تو ثابت ہو گیا کہ جو لوگ علم دین میں مشغول ہیں وہ آپ ہی کے کام میں لگے ہوئے ہیں اور تجربہ و مشاہدہ سے یہ بات ثابت ہے کہ علم دین کے ساتھ کسب معاش کا کام نہیں ہو سکتا اور اگر کوئی ایسا کرنا بھی چاہے تو اس کو علم دین کامل طور پر نہ حاصل ہوگا۔ ایک آدمی ایک زمانہ میں دو ایسے کام نہیں کر سکتا جن کے لیے پورے انہماک کی ضرورت ہے۔ اس مقدمہ کے ساتھ اب دوسرا مقدمہ یہ ملایئے کہ شریعت کا قانون ہے کہ جو شخص کسی کے کام میں محبوس ہو اس کا نفقہ اسی کے ذمہ ہے جس کے کام میں وہ محبوس ہے، چنانچہ بیوی کا نفقہ شوہر کے ذمہ بوجہ حبس ہی کے ہے، قاضی کی تنخواہ سب مسلمانوں کے ذمہ اسی لیے ہے کہ وہ ان کے کام میں محبوس ہے، بیت المال سے ملنا گویا سب مسلمانوں کے پاس سے ملنا ہے۔ اسی قاعدہ سے اہل علم کا نفقہ تمام مسلمانوں کے ذمہ ہے ان کو خود ان کی خدمت کرنا چاہیے اگر ہم اس قرآن کی خدمت نہ کریں گے تو اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ ہمارے نزدیک تعلیم و تعلم قرآن کی کچھ وقعت بھی نہیں، حالانکہ اس حدیث میں اس کی فضیلت صاف موجود ہے کہ: قرآن کی تعلیم و تعلم میں جو لوگ مشغول ہیں وہ سب سے افضل ہیں۔

از وعظ: التعمیم لتعلیم القرآن الکریم